السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

1۔ مذہب حنفیہ میں جو مقام روایت کا ہے وہی درایت کا بھی ہے، کیا یہ صحیح ہے ؟ اس کی دلیل مولانا مودودی کا مسلک اعتدال والا مضمون پیش کیا گیا ہے ؟

2۔ مولانا مودودی کا یہ مسلک کس حد تک قابل برداشت ہے ؟

3۔ اہلحدیث اور احناف کے نقطۂ نظر سے کن اشخاص کو روایتِ حدیث اور مصنفینِ حدیث کی کتب پر جرح و تعدیل کرنے کا حق ہے ؟

4۔ مولانا مودودی نے احادیث اور کتب احادیث پر جس انداز سے بحث کی ہے کیا ان سے قبل بھی ایسا ہوا ؟ عیسیٰ بن ابان کا یہ نظریہ تو نہیں تھا ؟

نیز مولانا مودودی نے ترجمان القرآن ماہ مئی سنہ 55ء کے ص 163 پر فرمایا ہے کہ:

ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کرکے اس حد تک پہنچ گیا ہے۔ کہ اسے بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عاید ہوتا ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

نہ فن حدیث کے نقطۂ نظر سے کسی حدیث کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کا مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کرکے مان لیا جائے۔ سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بھی ایسے اسباب ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہوجاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے سند کے ساتھ متن کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر اس کی صحت میں خواہ مخواہ اصرار کرنا صحیح نہیں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو ہم نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لئے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے۔ اس طرح کی افراط پسندیاں معاملہ کو بگاڑ کر اس تفریط تک پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کررہے ہیں۔ اھ

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کسی روایت کو قوی تصور کرکے بھی قبول نہ کرنا کوئی معنی رکھتا ہے۔ سند کے قوی ہونے کے بعد توچھان بین کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ صاحب قرآن کے الفاظ پر جرح ہو جو میرے خیال میں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ آپ تفصیل سے سمجھائیں کہ سند کے قوی ہونے کے باوجود کون سے ایسے اسباب ہوسکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہوجاتا ہے ؟ بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے قطعی طور پر صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہے مگر ان کے متعلق بھی ایسے الفاظ استعمال کرنا کیا ان کی عظمت پر چوٹ نہیں ؟ ازراہِ کرم کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں جزاکم اللہ خیرا

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاته!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

امت مسلمہ اور جماعت اسلامی یہ دونوں کیسے پیارے نام ہیں۔ مگران کے تحت جو ہو رہا ہے وہ دشمنی اسلام ہے پہلا فرقہ تو منکر حدیث ہے کلامِ الٰہی کے ساتھ اپنی رائے سے کھیل رہا ہے اور حدیث جو قرآن کی تفسیر ہے اس کا مذاق اڑا رہا ہے اور دوسرے نے مرزائی چال اختیار کر رکھی ہے۔ ظاہر اقرار اور اندر سے انکار۔

مرزا غلام احمد نے صحت حدیث کی یہ شرط کی تھی کہ میری وحی کے موافق ہو اور مودودی نے یہ شرط کی ہے کہ میرے نزدیک وہ صحیح ہے جو میرے ذوق کے موافق ہو۔ گمراہ فرقے اس طرح لیبل لگا کر گمراہی پھیلاتے ہیں۔ رافضی شیعان علی کہلاتے ہیں، معتزلہ اہل العدل والتوحید، مرزائی احمدی، منکرین حدیث امت مسلمہ اور مودودی جماعت اسلامی وغیرہ۔ جن فرقوں کے ظہور کو کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ ان کی گمراہی کا پردہ تو چاک ہو چکا ہے۔ مگر مودودیت نے ابھی ابھی جنم لیا ہے اس سے وہ پردہ اخفاء میں ہے۔ عوام تو کجا کئی خواص بلکہ مولوی بھی اس کو سراہتے ہیں۔ جس سے یہ فتنہ دن بدن زور پکڑ رہا ہے۔ یہاں تک کہ کئی مولوی اس شامل میں ہوگئے ہیں۔ اس وقت علمائے حقانی کا فریضہ ہے کہ اس کا استیصال کریں اور لوگوں کو اس کی گمراہی سے بچائیں۔ اب نمبر وار جواب ملاحظہ ہو:

1۔ روایت اور درایت

اہلسنت کے کسی فرقے کا یہ مذہب نہیں ہے۔ کہ روایت اور درایت کا درجہ مساوی ہے بلکہ حنفیہ تو ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔ جیسے حنفیہ کے نزدیک قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ وضو نہ ٹوٹے کیونکہ ان کے نزدیک نجس شے کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے۔ جیسے نکسیر پھوٹنا، قے ہونا وغیرہ اور قہقہہ تو کوئی نجس شی نہیں۔ اس وضو ٹوٹنا قیاس کے خلاف ہے اور دلیل اس کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک نابینا گڑھے میں گر پڑا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دیکھ کر ہنسے آپ ﷺ نے ان کو وضو لوٹانے کا حکم دیا۔

اسی طرح حنفیہ کا مذہب ہے کہ کھجوروں کے شربت سے وضو جائز ہے اور دلیل ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے شربت سے وضو کیا۔ حالانکہ یہ بھی قیاس کے خلاف ہے۔ ایسی طہارتوں کے لیے خدا نے پانی مقرر کیا ہے اور شربتوں کا حکم پانی کا نہیں ورنہ دوسرے شربتوں (شربت بنفشہ وغیرہ) سے بھی وضو جائز ہوتا۔ غرض ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں حنفیہ نے ضعیف حدیث کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا ہے۔

عیسیٰ بن ابان

رہا عیسیٰ بن ابان کا مذہب تو اس کو بھی مودودی کے نظریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ مودودی کا نظریہ یہ ہے کہ ذوق سے صحیح حدیث کی تردید ہو سکتی ہے اور ذوق کی تشریح آپ نے یوں کی ہے۔ کہ متن حدیث کی قباحت پکار رہی ہو کہ یہ باتیں نبی ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں۔ جیسے منکرین حدیث مظاہرہ کر رہے ہیں اور عیسیٰ بن ابان کا نظریہ یہ ہے کہ عام آیتوں، حدیثوں سے جو ایک عام اصول ثابت ہو وہ برقرار رکھا جائے اور کسی خاص حدیث سے جو

مسئلہ اس عام اصول کے خلاف ثابت ہو اس کو ترک کردیا جائے گا۔ مگر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس خاص حدیث کا راوی غیر فقیہ ہو جیسے ابوہریرہ اورانس وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ اگر راوی فقیہ ہو تو پھر یہاں عام اصول ترک کرکے خاص حدیث پر ہوگا۔

عام اصول کی مثال انہوں نے یہ دی ہے۔ کہ کسی کی شے تلف ہوجائے اور وہ بھرنی پڑے تو اس کا بازاری نرخ لگا کر قیمت دے دی جاتی ہے۔ عام طور پر قرآن وحدیث کی ہدایت یہی ہے۔ مگر خاص حدیث اس کے خلاف آئی ہے۔ وہ یہ کہ لوگ لیاری فروخت کرتے ہیں تو ایک دو دن اس کا دودھ دوہنا بند کردیتے ہیں۔ تاکہ دودھ دوھ کر دیکھ لے اگر دودھ کم ہو جائے تو اس کو واپس کرسکتا ہے۔ مگر تین دن دودھ کے عوض کھجوروں کا ایک صاع ساتھ دے۔

ہیں۔ ان کو غیر فقیہ حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ دودھ کی بازاری قیمت اس وقت کے لحاظ سے لگا کر دے دی جائے۔ اس حدیث کے راوی ابوہریرہ بنا کر اس عام اصول کی آڑ لے کر ان کی اس حدیث کوٹالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے مگر عیسیٰ بن ابان پر اہل سنت کے تمام فرقوں کی طرف سے اعتراضات کی اتنی بوچھاڑ ہوئی۔ کہ اس کا ناطقہ بند کردیا، خود حنفیہ نے اس کے چھکے چھڑادیئے۔ چنانچہ فیض الباری شرح بخاری (میں) مولانا انور شاہ کشمیری جلد3 ص230،231 اور تحریر امام ابن الہمام رحمہ اللہ مع اس کی شرح ابن امیر الحاج باب السنۃ وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی خوب تردید کی ہے۔ تردید کے کئی پہلو ہیں مثلاً:

ابوہریرہ اورانس رضی اللہ عنہما ایسوں کو غیر فقیہ کہنا یہ واقعہ کے خلاف اور سراسر ظلم ہے۔ کیونکہ یہ مفتی تھے اور مفتی غیر فقیہ نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں تلقیح ابن الجوزی وغیرہ میں ابوہریرہ کی احادیث کی تعداد5374لکھی ہے اور حضرت انس کی احادیث تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ گئی ہیں۔ انس کی 2282 تو پھر ان کو غیر فقیہ کہنا بڑا ظلم ہے۔

متواتر احادیث کے علاوہ سب احادیث خبر آحاد ہیں۔ جن کو ظنی کہتے ہیں اور ظنی وہی ہے جس میں غلطی ممکن ہے۔ پس اس طرح ہر صحابی کی حدیث رد ہو سکتی ہے۔ خواہ ابوہریرہ ہوں یا کوئی اور۔

2۔ مودودی کا نظریہ

اس سوال کا جواب اوپر آچکا ہے۔ کہ حنفیہ درایت کو روایت کا درجہ نہیں دیتے۔ چنانچہ قہقہہ اور نبیذ تمر (کھجوروں کے شربت) سے وضو کی مثال گذر چکی ہے۔ اور محدثین تو مودودی کے نظریہ سے کوسوں دور ہیں۔ کیونکہ اہل الرائے سے ان کو نفرت ہے۔ تو درایت (جو رائے کی قسم سے ہے) کو روایت پر کس طرح مقدم کرسکتے ہیں۔

3۔ مسئلہ جرح وتعدیل

جرح وتعدیل تاریخ کی قسم سے ہے۔ اور تاریخ اس وقت کے لوگوں کی یا قریب کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے۔ (جبکہ) پچھلے لوگ نقال ہوتے ہیں۔ اس لیے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح وتعدیل کا اعتبار نہیں۔ اس کے لیے مقدمۃ ابن الصلاح کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

مودودی صاحب کو بھی اس سے انکار نہیں۔ وہ تفہیمات میں فرماتے ہیں:

الف) تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں۔ وہ سب اس گروہ محدثین نے استعمال کیے ہیں اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کیے ہیں کہ کسی اور تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ دراصل یہی چیز اس کا یقین دلاتی ہے کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل

حال رہی ہے۔ اور جس نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے۔ اس نے اپنے آخری نبی ﷺ کے نقوش قدم اور آثار ہدایت (کی حفاظت کے لیے بھی وہ انتظام کیا ہے۔ جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ (تفہیمات ص 290

(ب) دنیا میں زمانہ گذشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں جتنا کہ حدیث کا ذخیرہ مستند ہے۔ (تفہیمات ص 262)

ج) کتبِ حدیث صحاح ستہ وغیرہ میں اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کتابیں انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ نہ اس میں شبہ ہے کہ ہر حدیث کی) سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ لہذا ان کتابوں کے ذریعہ سے حدیث کا وہ علم قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا ہے۔

(ترجمان القرآن، جون سنہ 1934ء و تفہیمات ص 283)

د) اگر روایاتِ حدیث نہ ہوتیں تو ہماری مذہبی زندگی کے جتنے اعمال اور جتنے اصول و قوانین ہیں یہ سب کے سب بے سند ہو کر رہ جاتے ہیں۔ نماز،) روزہ، حج، زکوۃ اور دوسرے اعمال جس صورت میں ادا کیے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق ہم نہ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کے مقرر کیے ہوئے (طریقوں پر ہیں۔ (تفہیمات ص 396، 397

مودودی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ انسانی امکان میں جتنے معتبر ذرائع ہیں وہ سب محدثین نے استعمال کر لئے ہیں۔ اور اسی لئے ذخیرہ سب (دوسرے تاریخی) ذخیروں سے زیادہ مستند ہے۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اور اب اس میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں، نہ اس میں شبہ ہے کہ یہ کتابیں صحاح ستہ وغیرہ انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں، نہ اس میں یہ شبہ ہے کہ ہر حدیث کی سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہے۔ لہذا یہ علمِ حدیث قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا۔ اب اس پر کوئی جرح یا تنقید کرے تو وہ انسانی امکان سے بالاتر ہو کر کر سکتا ہے۔ اور وہ منصب وحی ہے اور وحی کا سلسلہ چونکہ بند ہے اس لئے جرح و تنقید کا معاملہ بھی ختم ہے۔ اس بنا پر سائل کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ کہ سند کے قوی ہونے کے بعد تو چھان بین کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ صاحب قرآن کے الفاظ پر جرح ہو۔ جو میرے خیال میں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ سائل نے جس خیال کا اظہار کیا ہے اہل سنت کا موقف تو یہی ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اور سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اور آمنا وصدقنا کہتے ہوئے تعمیل حکم کے میدان میں اتر آتے ہیں۔ لیکن مودودی صاحب کی گڈی چونکہ آج کل چڑھی ہوئی ہے۔ اور (اصل میں ''نہ'' بھی ہے) ان کی درایت ذرا زیادہ بلندی پر پرواز کر رہی ہے۔ اس لئے وہ سند کے قوی ہونے کے بعد بھی کئی طرح کے خدشات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جیسے (اصل میں ''جیسے'' ہے) اول قائس نے کہا تھا:

''خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ''

(تو نے مجھے آگ سے بنایا، اور اسے مٹی سے بنایا ہے'' (سورۃ ص: 76''

چنانچہ جواب نمبر 4 میں اس کی کچھ وضاحت آتی ہے۔

مودودی کا طرز عمل

مودودی صاحب نے جس انداز سے بحث کی ہے یہ منکرین حدیث کا انداز ہے عیسیٰ بن ابان کا یہ انداز نہیں۔ بلکہ دین سے متعلق ان کا قریباً سارا سلسلہ ہی گمراہ کن ہے۔ احادیث کو آپس میں اور قرآن شریف کے ساتھ ٹکرانا اور ان میں اختلافات پیدا کر کے ان کی قدر گرانا اور پھر ان کی تردید کرنا یہ ان کی عام عادت ہے۔ اس کے علاوہ لباس کے متعلق جو احادیث آئی ہیں۔ ان کے متعلق محدثین رحمہم اللہ پر سخت حملہ کیا ہے۔ کہ وہ ان کا صحیح مفہوم نہیں

سمجھ سکے۔ لباس، وضع قطع میں شریعت میں داخل نہیں بلکہ عادات کی قسم سے ہیں۔ محدثین رحمہم اللہ نے ان کو شریعت قرار دینے میں غلطی کی ہے، ایسے ہی دجال وغیرہ کی احادیث میں رسول اللہ ﷺ کو غلطی پر کہتا ہے۔ کہ آپ معاذ اللہ دجال کو نہیں سمجھے۔ گویا قریب قریب مرزائیوں والا خیال ہے۔ بلکہ ان سے بھی ترقی کر گئے ہیں۔ چنانچہ مودودی کے اصل الفاظ جو حدیثِ دجال ذکر کر کے لکھتے ہیں یہ ہیں :

کانا دجال تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ (ترجمان القرآن، جلد 28، نمبر 3، ص 172 - 173 بابت ربیع الاول 1365ھ (مطابق فروری سنہ 1964ء)

تمیم داری کی حدیث میں حضور ﷺ نے اکی معین شخص کو دجال فرمایا ہے۔ اس کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں :

"کیا تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا۔ کہ حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔"

(ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد 28 نمبر ص 172/173 بابت ربیع الاول سنہ 1365ھ مطابق فروری سنہ 1964)

نیز تمیم داری کی حدیث میں حضور ﷺ نے دجال کے نکلنے کی جہت معین کر دی ہے کہ مشرق کی جانب سے نکلے گا اور علاقوں کا نام مبہم کر دیا ہے اور بعض احادیث میں خراسان، اصفہان کا نام بھی آیا ہے اور تمیم داری کی حدیث میں جس معین شخص کو آپ ﷺ نے دجال قرار دیا ہے وہ ایک جزیرہ میں مقیّد تھا جس سے ثابت ہے کہ وہ حضور ﷺ کے زمانے میں پیدا ہو چکا ہے۔ مگر مودودی صاحب دجال کے متعلق اس قسم کی احادیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارہ میں آپ خود شک میں تھے۔ (حوالہ مذکورہ)

غرض اس قسم کی خرافات اس کی بہت ہیں جن کو سن کر یا دیکھ کر ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کی تحریر اور چرب زبانی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا لٹریچر اسلام اور شریعت مطہرہ کے لئے سخت خطرناک ہے۔ خدا اس سے بچائے اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔ آمین

نیز سند کے قوی ہونے کے بعد بھی مودودی صاحب کی درایت کے لئے پانچ راستے کھلے ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

پہلا راستہ

محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ کے فہم پر حملہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے جو مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے۔

"نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا"

(ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے" (سورۃ النساء : 115"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لا تجتمع اُمتی علی الضلالۃ

میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

بلکہ ایک نہ ایک فرقہ ضرور حق پر رہے گا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ محدثین وفقہاء رحمہم اللہ ہیں۔ لیکن مودودی صاحب کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب گمراہ ہوں اور میں بعد میں حق پر ہوں۔ چنانچہ مودودی صاحب کا خیال ہے کہ محدثین وفقہاء رحمہم اللہ نے عادات نبوی ﷺ کو سنت سمجھ کر اس بارے

میں احادیث جمع کی ہیں۔ یہ انہوں نے غلط رویہ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی شرعی چیز نہیں۔ جس کی اتباع کے ہم مامور ہیں۔ چنانچہ مودودی کے اصل الفاظ یہ ہیں:

میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں۔ جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔ (رسالہ ترجمان القرآن: مئی وجون سنہ 1945ء

داڑھی

آپ کا خیال کہ نبی ﷺ جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑھی ڈاڑھی رکھنا سنتِ رسول ﷺ ہے یا اسوۂ (پیروی) رسول ﷺ ہے یہ معنی رکھنا ہے۔ کہ آپ عاداتِ رسول ﷺ کو بعینہٖ وہ سنت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے جاتے رہے۔ مگر میرے نزدیک یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے۔ بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا (اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریفِ دین ہے۔ (حوالہ مذکورہ

قارئین کرام! ہم تو ڈاڑھی کے مسئلہ میں خلاف رسول اللہ ﷺ کرنے والے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہاں الٹا چور کو توال کو ڈانٹے والا حساب ہے۔ اور پھر اتنے پر بس نہیں بلکہ عمومیت کے ساتھ اس قسم کی تمام چیزوں کو سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریفِ دین بتلایا جارہا ہے۔ اس بنا پر انسان آزاد ہے جس قسم کی چاہے حجامت بنوائے، جیسی وضع قطع چاہے اختیار کرے، انگریزی بال رکھے، انگریزی لباس ہیٹ، پتلون وغیرہ زیبِ تن کرے، شلوار یا تہ بند ٹخنوں سے نیچے رکھے یا اوپر، کسی چیز میں کفار یا فُسّاق، فُجّار کے ساتھ تشبہ ہو اس کی بھی اجازت ہے، فطرت اور سنتِ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کا بھی کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

دس باتیں فطرت (اسلام) سے ہیں:

1۔ لبیں کٹانا 2۔ ڈاڑھیاں چھوڑنا 3۔ مسواک کرنا 4۔ وضو کے وقت ناک میں پانی چڑھانا 5۔ ناخن کٹوانا

6۔ وضو کے وقت انگلیوں کے جوڑ دھونا 7۔ بغلیں اکھیڑنا 8۔ زیرِ ناف بال لینا 9۔ استنجا کرنا

10۔ وضو کے وقت کلی کرنا۔

ایک حدیث میں داڑھی کی جگہ ختنہ کا ذکر ہے۔ اور ترمذی میں حدیث ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں رسولوں علیہم السلام کی سنتوں سے ہیں:

1۔ حیا 2۔ ختنہ 3۔ مسواک 4۔ نکاح

اگر کوئی صاحب جذبہ سنت کے تحت ان چیزوں کی پابندی اور اصرار کرے تو یہ مودودی صاحب کے نزدیک سخت ترین بدعت اور خطرناک تحریفِ دین ہوگی۔

مودودی صاحب نے بیک جنبشِ قلم ان تمام دفتروں پر پانی پھیر دیا۔ بلکہ اتباع رسول ﷺ سمجھ کر ان پر ہمیشگی اور اصرار کرنے والے کو سخت قسم کا بدعتی اور دینِ الٰہی کا خطرناک مُحرِف قرار دیا۔

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے۔ کہ اس کی زد کہاں پڑتی ہے؟ معاذ اللہ خیرِ قرون صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ پر۔ بلکہ رسول

اللہ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام ایسی ہستیوں پر سچ ہے:

نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

مجدد

علاوہ ازیں اور سنیئے! حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے سرے پر مجدد ہوں گے جو دین کی تجدید کریں گے۔ اور مری ہوئی سنتوں کو زندہ کریں گے۔ مودودی صاحب نے جہاں سنت اور بدعت کا معنیٰ بدل ڈالا ہے وہاں مجدد کے معنیٰ پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ اس حدیث کو بلاپنے اوپر چسپاں کریں:

(نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدیٔ موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی۔'' (ص 33، سطر 7''

پیدا کرے گا، ذہنیتوں کو بدلے گا، ایک زبردست تحریک (Dchool of thought) وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہبِ فکر'' اٹھائے گا۔ جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی، جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گی۔ مگر بالآخر وہ جاہل اقتدار ''کو الٹ پھینکے دے گا۔ اور ایسی زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا۔

دوسرا راستہ

مودودی صاحب کی درایت کا فلسفیانہ عقل ہے۔ فلسفیانہ عقل کا ایمان بالغیب بہت کمزور ہوتا ہے۔ وہ اسی کو مانتی ہے جو اس میں سما سکے، جو اس سے بالاتر ہو اس میں اس کا رجحان دو چیزوں کی طرف ہوتا ہے۔ یا سرے سے انکار یا تاویل و تحریف۔

پھر اس میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو زیادہ غلو کر جاتے ہیں جیسے سید احمد نیچری نے تفسیر لکھی تو قرآن مجید کے تمام معجزات و خرق عادات تاویل کر ڈالی مثلاً: موسیٰ علیہ السلام کا عصا کے ساتھ پتھر کو مارنا اور اس سے 12 چشمے پھوٹ پڑنا کا مطلب یہ بیان کیا کہ عصا ٹیک کر پہاڑوں میں چلے کہیں اتفاقاً بارہ چشمے مل گئے۔ رسول اللہ کے معراج کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خواب میں سیر کرائی گئی۔ ملائکہ اور شیاطین سے مراد نیک اخلاق اور بد اخلاق ہیں۔ یہاں تک کہ جنت اور دوزخ بھی روحانی معاملہ ہے، روحوں کی خوشی اور تکلیف ہی جنت دوزخ ہے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں۔ جو اتنے غلو میں تو نہیں گئے۔ لیکن وہ آدھا تیتر آدھا بٹیر بنے رہتے ہیں۔ جیسے مرزائی وغیرہ مثلاً: عیسیٰ علیہ السلام کا جسم سمیت اٹھائے جانا اس کو نہیں مانتے پھر ان کا دو فرشتوں کے کندھوں پر آسمان سے نزول، پھر مشرقی مینارۂ دمشق سے سیڑھی لگا کر زمین پر آنا اس سے بھی انکار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرماتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام کے سانس ہی سے کافر مر جائیں گے۔ اور سانس ان کا وہاں تک پہنچے گا جہاں ان کی نظر پہنچے گی۔ ان سب باتوں سے فلسفیانہ عقل والے منکر ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا معراج جسمانی، ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کا ذبح ہو کر زندہ ہونا، داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کا موم ہونا، صالح علیہ السلام کی اونٹنی دس ماہ کی حاملہ کا پتھر سے پیدا ہونا، مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا، موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کی آنکھ پھوڑنا، مائی حوا علیہا السلام کا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا، اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں۔ جن سے کہیں صریح انکار ہے اور کہیں تحریف و تاویل کا دور دورہ ہے۔

دجال

اس طرح مودودی صاحب دجال کے منکر ہیں حالانکہ دجال کے متعلق بکثرت احادیث موجود ہیں۔ جن میں بہت سے خرق عادات کا ذکر ہے مثلاً: اس کے ساتھ جنت و دوزخ کا ہوگا۔ مگر درحقیقت دوزخ جنت ہوگا اور جنت دوزخ، اور اس کے حکم سے آسماں سے بارش ہوگی، زمین سے انگوریاں اگیں گی، مردے زندہ ہوں گے، زمین کے خزانے اس کے پیچھے لگیں گے، جس گدھے پر سوار ہوگا وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان ایک چالیس گز کا فاصلہ ہوگا۔ غرض اس قسم کی عادات دجال کی بہت ہیں جن کی بنا پر وہ لوگوں سے اپنا آپ منوائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یہ بہت بڑا فتنہ ہے (جس سے ہر نماز میں پناہ مانگی جاتی ہے اور) اس سے ہر نبی نے ڈرایا ہے۔ مگر میں تمہیں ایک نشان بتلاتا ہوں جو دوسرے انبیاء نے نہیں بتایا، وہ کانا ہوگا تمہارا رب کانا نہیں نیز اس کے ماتھے پر ''کافر'' لکھا ہوگا۔ ہر مومن پڑھے گا خواہ پڑھا ہوا یا اَن پڑھ، آدم سے لے کر قیامت تک اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔ اس کے متعلق مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں

کانا دجال تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

اور اس سے مودودی صاحب نے اپنا راستہ صاف کرلیا ہے۔ کہ جب کسی خرق عادات سے انکار کرنا چاہا فلسفیانہ عقل کا سہارا لے لیا اور صحیح اور قوی السند احادیث میں شکوک پیدا کرنے شروع کردیئے۔

چنانچہ سائل نے اپنے سوال میں اس قسم کی چند عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں صحیح احادیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آگے چل کر ہم بھی اس قسم کی چند عبارتیں نقل کریں گے۔ ان شاء اللہ

تیسرا راستہ

مودودی صاحب کا تیسرا راستہ تاریخ ہے۔ تاریخ وہ علم ہے جس سے حوادث زمانہ ماضیہ کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کی ترتیب معلوم ہوتی ہے مؤرخ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ واقعاتِ عالم کی جستجو کرے اور ان کو اس ترتیب سے جمع کرے جس ترتیب سے وہ دنیا میں رونما ہوئے ہیں۔ پھر آگے مؤرخین کی کے نظریے مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی تو صرف بادشاہوں کی تاریخ لکھتا ہے، کوئی تاریخ اعیان (بڑی شخصیتوں کی تاریخ)، کوئی تاریخِ مذاہب، کوئی تاریخ اقوام، کوئی تاریخِ اَلسِنہ وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان میں کئی خصوصیتیں پیدا ہوجاتی ہیں مثلاً: تاریخِ شاہانِ عرب، تاریخِ شاہانِ ہند، تاریخِ یونان، تاریخ بغداد وغیرہ۔

اسی طرح تاریخ اسلام، تاریخ عیسائیت، تاریخ ہندوازم وغیرہ۔ ایسے ہی تاریخ علماءِ اہلحدیث، تاریخ علماءِ احناف یا شوافع وغیرہ جن کو زیادہ تر تراجم سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی قسم سے علمِ اسماء الرجال ہے۔ یعنی راویانِ حدیث کے حالات کا ذخیرہ۔ لیکن ان میں محدثین نے زیادہ تر وہی حالات قلم بند کیے ہیں۔ جن کو حدیث کی صحت وضعف سے تعلق ہے۔ کیونکہ اسی غرض سے وہ لکھے گئے ہیں۔ اور جو انہوں نے قلم بند کیا ہے اس سے زیادہ کوئی قلم بند نہیں کرسکتا۔ جس کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ یہ تاریخ کا حصہ ہے اور تاریخ میں اس وقت کے لوگوں نے یا قریب کے لوگوں نے حوادثِ زمانہ کا جو کچھ ذخیرہ جمع کیا ہوتا ہے۔ پچھلے لوگوں کے لیے صرف وہی ذریعۂ معلومات ہے۔ اس کے بغیر (براہِ راست) تسلی بخش کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لیے اسی ذخیرہ پر اعتمادِ کلی کرنا پڑتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صحت وضعف کا معاملہ بڑا اہم ہے اوراسی پر دین کا دارومدار ہے ۔ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے محدثین نے اس معاملے میں انتہائی کوشش کی ہے اوراس غرض کی تکمیل کےلیے تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع استعمال کیئے ہیں ۔ کہ کسی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۔

اب جولوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم کسی متفقہ صحیح حدیث کی اسناد میں بحث کریں ۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے بخاری ومسلم کی بعض احادیث پر بحث کی ہے ۔ وہ دراصل ان حقائق بالا سے ناواقف ہیں وہ نہیں سمجھے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ بھی انہیں محدثین سے ہیں ۔ جن کے ہاتھ پر یہ فن پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے ۔ کیونکہ یہ اسی زمانہ کے آدمی ہیں اور جرح وتعدیل کے امام ہیں ۔ اگران لوگوں کی آپس میں یہ بحثیں اور تبادلے خیالات نہ ہوتے تو یہ فن ادھورا رہ جاتا ۔

مثلاًامام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث پر حکم لگایا کہ یہ متفقہ صحیح ہے ۔ دوسرے لوگوں نے کہا یہ متفقہ صحیح نہیں ۔ کیونکہ اس کی اسناد میں فلاں عیب ہے ۔ اب اس بحث مباحثہ میں ہزاروں محدثین کی تحقیقی نظر اس حدیث پر پڑی ۔ کسی نے اس پر اعتراض کیا ، کسی نے اس کا جواب دیا ، اس چھان بین سے ایک محقق کےلئے راستہ کھل گیا ۔ کہ وہ راجح یا مرجوح معلوم کرسکے ۔ لیکن اس بحث مباحثہ سے بڑا ایک نتیجہ اور نکلا وہ یہ کہ جس حدیث پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا اس کی صحت محکم ہوگئی ۔ اور وہ یقیناً صحیح قرار پائی اور سب محدثین اس کی صحت پر متفق ہوگئے ۔ کیونکہ اگر اس میں کچھ گنجائش ہوتی تو وہ بھی زیر بحث آجاتی ۔

کتاب بخاری ومسلم رحمہما اللہ

کا مقام چونکہ صحت میں بلند ہے ۔ یہاں تک کہ ان کو (اصح الکتب بعد کتاب اللہ) مانا گیا ہے ۔ خاص کر بخاری رحمہ اللہ اس میں اول نمبر پر ہیں ۔ اس لئے جو حدیث کی شان گھٹانا چاہتا ہے ۔ وہ ان دونوں بالخصوص بخاری علیہ الرحمہ کو نشانہ بنالیتا ہے ۔ تاکہ ان کی شان گھٹنے سے سارا فنِ حدیث ہی کمزور ہوجائے گا ۔ مگر جس کو خدا بڑھائے اس کو کون گھٹائے ، جو خدا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گودی میں پال سکتا ہے وہ زہر سے تریاق کا کام بھی لے سکتا ہے ۔ چنانچہ یہاں ایسا ہی ہورہا ہے ۔ جو اعتراض ہوتا ہے وہ معترض پر الٹ جاتا ہے ۔ چنانچہ اس کی ایک مثال تو یہی ہے ۔ کہ جس بحث سے گنجائش نکالنی چاہی وہی الٹی پڑگئی ۔

دوسری مثال بخاری ومسلم کا مطالعہ ہے ۔ خاص کر بخاری کا ۔ جون سـنہ 1955ء میں حدیث کے متعلق لاہور میں مولانا مودودی صاحب نے تقریر کی اس تقریر کا اقتباس جماعت اسلامی کے اخبار ہفت روزہ منیر لائل پور میں شائع ہوا ۔ اس میں بخاری وغیرہ کی نسبت لکھا ہے :

صحیح بخاری جو (اصح الکتب بعد کتاب اللہ) کہی جاتی ہے ۔ اس کی احادیث کو بھی فرداً فرداً جانچنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے ۔ اوراہل علم نے اس کی احادیث کے بارے میں کلام کیا ہے ۔ یہ کلام اگر دلائل کی بناء پر ہوگا ۔ بہر حال بخاری شریف کی احادیث یا دوسری احادیث کے مجموعوں کی روایات پر مسلمہ قواعد کے مطابق تنقید کرنا ہر صاحب علم کا حق ہے ۔ (المنیر ہفت روزہ، جلد7، نمبر21۔22 مؤرخہ 17شوال سـنہ 1347ھ (مطابق 10جون سـنہ 1955ء، ص2، کالم 2

اس کے بعد کے پرچہ میں مودودی صاحب کا خط شائع ہوا ۔ اس میں مودودی صاحب نے بخاری کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں :

آج اگر کوئی اس (بخاری) کی احادیث پر تنقید کرے تو محض اس بناء پر کہ وہ بخاری کی احادیث پر کلام کررہا ہے ۔ قابل ملامت نہ ہوگا بشرطیکہ وہ قواعد کے مطابق تنقید کرے ۔ ''(المنیر جلد7، نمبر23۔24، شوال 1374ھ مطابق 17۔24 جون سـنہ 1955ء، ص13 ''

اس کی تائید میں ادارہ المنیر نے اس اشاعت کے ص 9 پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل کی ہے :

إن التصحیح لم یقلد الأئمة فیه البخاري ومسلما بل جمهور ما صححاه کان قبلهما صحیحا متلقیً بالقبول وکذلک فی عصرهما وکذلک بعدهما قد نظر أئمة هذا الفن فی کتابیهما فوافقهما علی صحة ما صححاه إلا مواضع یسیرة نحو عشرین حدیثا انتقدها علیهما طائفة من الحفاظ وهذه المواضع المنتقدة غالبها فی مسلم وقد انتصر طائفة لهما فیها وطائفة قررت قول المنتقد (منهاج السنة لابن تیمیة رحمہ اللہ بحوالہ فتح الملهم بشرح مسلم لمولانا شبیر احمد عثمانی ص 96

ترجمہ : احادیث کی تصحیح میں ائمۂ حدیث نے امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ واقعہ یہ کہ جن احادیث کو ان دو حضرات (بخاری و مسلم) نے صحیح کہا۔ ائمۂ حدیث نے اس سے پہلے بھی انہی حدیث کو صحیح قرار دیا اور قبول عام حاصل ہوا۔ اسی طرح ان کے زمانہ میں جو ائمۂ حدیث تھے انہوں نے بھی ان احادیث کو صحیح کہا۔ یہی بات ان کے بعد ظہور پذیر ہوئی۔ فنِ حدیث کے ائمہ نے بخاری اور مسلم دونوں کتب پر نظر دوڑائی۔ اور جن روایات کو انہوں نے صحیح کہا تھا انہیں صحیح ہی پایا۔ البتہ چند مقامات میں ائمۂ حدیث نے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ سے اتفاق نہیں کیا۔ اور ان کی صحیح کردہ روایات کو.......... صحیح نہیں جانا، یہ احادیث بیس کے قریب ہیں۔ ان پر حفاظِ حدیث نے تنقید کی ہے۔ یہ احادیث زیادہ مسلم میں ہیں۔ بعد کے ائمۂ حدیث کے ایک گروہ نے تنقید کرنے والوں کی تائید کی ہے۔ اور ان احادیث کو مجروح ہی کہا ہے۔ اور ایک دوسرے گروہ نے (مجروح احادیث کی تائید کی ہے۔ (المنیر، اشاعت مذکورہ ص 9

بظاہر تو اس عبارت سے یہ گنجائش نکالی ہے۔ کہ بخاری و مسلم کی احادیث کو بغیر تنقید کے نہیں لینا چاہیے۔ کیونکہ اندھی تقلید ہے لیکن دراصل اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ تنقید کی اب کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی انتہاء ہوگئی۔ یہاں تک کہ ان کی صحت پر تین زمانے متفق ہیں۔ بخاری و مسلم سے پہلے کے لوگ بھی ان کی صحت پر متفق تھے۔ اور ان سے بعد کے لوگ بھی اور ان کے ہمعصر بھی۔ اب بتلائیے اس سے بڑھ کر کسی کتاب کی شان کیا ہوسکتی ہے۔ کہ جس طرح قرآن مجید کی صحت پر دنیا متفق ہے۔ اسی طرح اس کی صحت پر بھی دنیا متفق ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اول درجہ صحت میں کتاب اللہ ہے پھر ان کا نمبر ہے۔

اور اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن احادیث کو مجروح کہا گیا ہے۔ ان میں بھی اختلاف ہے۔ ایک گروہ بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے ساتھ ہے اور ایک تنقید کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور یہ چیز اصولِ حدیث میں مسلَّم ہے۔ کہ جس جرح کا تھوڑا بہت جواب ہوسکے۔ اس سے حدیث حسن درجہ سے نہیں گرتی۔ جیسے مسلم رحمہ اللہ کی دوسرے درجہ کی احادیث جو تائیداً لاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مقدمہ مسلم۔ پس اس جرح کا حاصل یہ ہوا کہ بعض مقامات میں بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی شرط (اعلیٰ درجے کی صحت) پوری نہیں ہوئی نہ کہ وہ حدیث قابل عمل نہیں۔ تیسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ بخاری و مسلم کے اتنے بڑے دفتر سے کل بیس احادیث کے قریب ایسی نکلی ہیں۔ جن پر بعض محدثین کی تنقیدی نظر پڑی ہے۔ جو ترازو میں پاسنگ بھی نہیں۔ ایسے تو قرآن مجید کی بعض قراء توں میں بھی اختلاف ہے۔ کہ شاذ ہیں یا متواتر۔ مگر اس سے مشہور سات قراء توں کو کوئی ضعف نہیں۔ ٹھیک اسی طرح بخاری و مسلم کی ان چند احادیث پر اگر کوئی جرح ہوئی ہے تو یہ کالعدم ہے۔ ہاں اس سے اتنا ضرور فائدہ پہنچا کہ مخالفوں کا منہ بند ہوگیا۔ وہ اس طرح کہ بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی احادیث میں کچھ تنقید گنجائش ہوتی تو اتنے بڑے بڑے محدِث، جرح تعدیل کے امام اتنی کوشش کے باوجود اپنا سا منہ لے کر نہ بیٹھ جاتے، بہر صورت بخاری و مسلم کی شان اس سے بہت بلند ہوگئی.....اور تنقید کا خاتمہ ہوگیا۔

والحمد للہ علی ذلک۔

چوتھی بات اس عبارت سے یہ معلوم ہوئی کہ بخاری کا مقام مسلم سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ ان مجروح احادیث کا غالب حصہ مسلم میں ہے۔ گویا بخاری کے حصے میں کل پانچ چھ احادیث ایسی آئی ہیں۔ جن کی تنقید کی گئی ہے۔ تو بخاری کی سات آٹھ ہزار احادیث کے مقابلہ میں فی ہزار ایک بھی نہ ہوئی۔ اب

بھی کوئی بخاری پر جرح کرے تو اس کو شرم کرنی چاہیے اور خدا سے ڈرنا چاہیے کیونکہ تعصب کا انجام برا ہے۔

ہاں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم کے مقدمہ میں بخاری و مسلم کی قریباً 2 سو احادیث لکھی ہیں۔ جن پر تنقید ہوئی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری میں دو سو دس لکھی ہیں۔ جن سے 78 صرف بخاری میں ہیں اور دو سو صرف مسلم میں ہیں اور 32 دونوں میں ہیں تو گویا یہ 32 ملا کر ایک سو دس بخاری میں ہوئیں اور ایک سو 32 مسلم میں ہوئیں۔ پس ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیس کے قریب کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مراد وہ احادیث ہیں جن میں محدثین کا اختلاف رہا۔ باقی کے متعلق محدثین کا اتفاق ہوگیا۔ کہ تنقید کرنے والوں کی غلطی ہے۔ چنانچہ امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے ہر ایک حدیث کے متعلق پوری بحث کی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سے بہت احادیث پر جرح یہ ہے۔ کہ ان میں فلاں راوی مجروح ہے حالانکہ یہ ضروری نہیں۔ کہ راوی کے مجروح ہونے سے حدیث بھی مجروح ہوجائے۔ کیونکہ بعض دفعہ ایک راوی مجروح کے ساتھ دوسرا ثقہ مل جاتا ہے۔ تو اس طرح سے بھی حدیث صحیح ہوجاتی ہے اور بعض دفعہ ایک راوی میں عمر کے تقاضا سے یا کسی اور سبب سے یا حادثے سے حافظہ وغیرہ میں خرابی ہوجاتی ہے۔ جس سے وہ مجروح ہوجاتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی پہلی روایت کردہ احادیث بھی مجروح ہوجائیں۔

الغرض اس قسم کی تنقیدات سے حدیث کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ امام نووی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو سب احادیث کی صحت ثابت کی ہے۔ جن میں وہ بیس بھی آجاتی ہیں جن کا ذکر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بخاری و مسلم کی شان بہت بلند ہے اور ان کی مسند احادیث کی شان بہت بلند ہے۔ اور ان کی مسند احادیث سب صحیح ہیں اور اب ان پر تنقید کا دروازہ بند ہے۔ اور جن احادیث پر امام دار قطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے تنقید کی۔ ان میں بھی بخاری و مسلم رحمہما اللہ کا پلڑا بھاری ہے اور تنقید کرنے والے غلطی پر ہیں۔

مودودی صاحب نے جب دیکھا کہ اسناد کے قوی ہونے کے بعد اب تنقید کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو درایت اور ذوق کا ایک شاخچہ کھڑا کردیا۔ اس کے لئے کئی قسم کے راستے کھول دیئے۔ جن سے دو کا بیان ہوچکا ہے۔

تیسرا راستہ

ابھی ذکر ہوا ہے کہ تیسرا راستہ تاریخ ہے۔ اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ تاریخ واقعاتِ عالم کا ترتیب وار ذخیرہ ہے۔ مودودی صاحب کا خیال ہے کہ اب تاریخ نے بہت وسعت پیدا کرلی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی وسعت نے تمام واقعاتِ عالم کا احاطہ کرلیا ہے۔ ایسا کوئی واقعہ نہیں جو اس کے احاطہ میں نہ آیا ہو۔ اگر حدیث میں بھی کسی واقعہ کا ذکر ہو اور تاریخ میں اس کی شہادت نہ ملے تو درایت اور ذوق کا یہی فیصلہ ہے کہ وہ غلط ہے۔ اسی بناء پر آپ تمیم داری کی حدیث جو دجال سے متعلق ہے اس کا ذکر کرکے بڑی جرأت سے لکھتے ہیں:

(کیا تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کردیا۔ کہ حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔ (ترجمان القرآن، جلد 28، ص 172

بلکہ اس سے بھی ترقی کرکے لکھتے ہیں:

(وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔ (حوالہ مذکورہ

مودودی صاحب یہاں تو منکرینِ حدیث سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ منکرینِ حدیث حدیث کو تاریخی حیثیت سے مانتے ہیں۔ وحی قرار نہیں دیتے۔ مودودی صاحب نے نہ صرف وحی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی انکار کردیا ہے اور تیرہ سو برس کی تاریخ کا سہارا لیتے ہوئے دجال کے متعلق احادیثِ

صحیحہ کو غلط کہہ دیا۔ اگر حدیث کو تاریخی حیثیت دیتے تو تیرہ سو برس کی تاریخ کا حدیث سے موازنہ نہ کرتے کہ ایک طرف دنیا کی تاریخ اور ایک طرف سردارِ دوجہاں محمد ﷺ کا بیان۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک کا مصداق ہے۔ پھر لطف یہ کہ مودودی صاحب خود بھی لکھتے ہیں:

(دنیا میں زمانہ گزشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں۔ جتنا کہ حدیث کا ذخیرہ مستند ہے۔ (تفہیمات ص 261

مودودی صاحب نے یہاں مخبوط الحواس کا کام کیا ہے۔ ادھر پیغمبرِ اسلام ﷺ پر جرأت ادھر اپنی تحریروں میں تضاد۔ اگر حدیث کا ذخیرہ سب ذخیروں سے مستند ہے تو پھر تیرہ سو برس کی تاریخ کو اس سے کیا نسبت؟

یاجوج ماجوج

بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے اور سَکندر ذوالقرنین اور سدِّ سَکندری کا بھی تفصیلاً بیان ہے۔ اور احادیث میں تو بہت زیادہ تفصیل آئی ہے کہ یاجوج ماجوج نے دو انگلیوں کے حلقے کے برابر سدّ سکندری میں سوراخ کر دیا ہے اور عنقریب وہ سد سکندری توڑنے والے ہیں اور ان کی پہلی فوجیں بحیرۂ طبریہ کا سارا پانی پی جائیں گی۔ اور پچھلی فوجیں گذریں گی تو کہیں گی۔ یہاں کسی زمانہ میں پانی ہوگا، زمین پر قبضہ کر کے پھر آسمان کی طرف تیر چلائیں گے۔ آسمان سے وہ خون آلودہ آئیں گے، دیکھ کر کہیں گے ہم نے آسمان والے کو بھی قتل کر دیا، اب آسمان پر بھی ہماری بادشاہت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ان کو خدا کی طرف سے حکم ہوگا کہ میرے بندوں کو پہاڑ طور کی طرف جگہ دے، پھر خدا ان کی گردنوں میں کیڑا پیدا کر دیں گے۔ جس سے یک لخت سارے کے سارے اس طرح مر جائیں گے جس طرح ایک انسان مرتا ہے، ان کی لاشوں سے زمین سڑ جائے گی، عیسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے۔ خدا تعالیٰ اونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا وہ اٹھا اٹھا کر ان کو نَہبَل (بیت المقدس میں کوئی جگہ ہے) میں پھینک دیں گے۔ پھر بارش ہوگی جس سے زمین صاف ہو جائے گی۔ اور خدا زمین و آسمان کو حکم دے گا۔ اپنی برکات چھوڑ دیں، بس پھر رزق کی اتنی فراوانی ہو جائے گی۔ کہ ایک انار کو چالیس آدمی تک کھائیں گے اور اس کے چھلکے سایہ میں بیٹھیں گے، اور ایک اونٹنی کا دودھ کئی جماعتوں کو کافی ہوگا، اور ایک گائے کا ایک قبیلہ کو اور ایک بکری کا ایک گھرانے کو، اور سانپوں سے زہر نکل جائے گا، ان سے بچے کھیلیں گے، شیروں کو بچے بھگاتے پھریں گے، بھیڑیئے کتوں کی طرح بکریوں کے محافظ بن جائیں گے اور سات سال تک مسلمان یاجوج ماجوج کے تیر و کمان کی لکڑیاں جلائیں گے۔ یعنی یاجوج ماجوج کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ سات سال تک ان کے تیر کمان ایندھن کا کام دیں گے۔

سَد سَکندری

سد سکندری اور یاجوج ماجوج کا بیان قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث میں بھی۔ مگر دجال کا ذکر صراحتاً قرآن مجید میں نہیں بلکہ اشارۃً ہے۔ وہ یوں کہ عیسیٰ علیہ السلام اولوالعزم اور صاحب شریعت انبیاء سے ہیں۔ ان کی حیات بھی قرآن مجید سے ثابت ہے اور ان کا دوبارہ آنا بھی اور ظاہر ہے کہ اتنا بڑا اہتمام کسی بڑے فتنے کا سد باب ہے اور وہ دجال ہی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

(آدم سے تاقیامت اس سے بڑا فتنہ کوئی نہیں۔ (مشکوٰۃ

مصیبت یہ ہے کہ مودودی صاحب میں کچھ نیچریت اور کچھ مرزائیت حلول کر آئی ہے وہ حیاتِ مسیح کے بھی منکر ہیں۔ جو امت کا متفقہ مسئلہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

(مسیح علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ متشابہات میں سے ہے۔ (کوثر، 21 فروری سنہ 1951ء

پس قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرز عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفع جسمانی کی تصریح سے بھی انکار کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی۔ (تفہیم القرآن، ص 421)

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے حیاتِ مسیح ورفع الی السماء قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یقین نہیں ہوتا۔ (تقریر مولانا مودودی صاحب بموقعہ درس مقام اچھرہ لاہور، 28 مارچ سنہ 1951ء)

مودودی صاحب تو تیرہ سو سال کی تاریخ کے سہارے پیغمبر علیہ السلام کی غلطیاں نکال رہے ہیں۔ اصحاب کہف اور سد سکندری کا پتہ بھی تاریخ سے نہیں چلتا، یاجوج ماجوج کے ذکر نے تو اور حیرانی میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ دجال تو انفرادی حالت میں کسی جزیرہ میں مقید ہے۔ تیرہ سو سال کی تاریخ میں اس کا پتہ نہ لگنا ایک معمولی بات ہے۔ لیکن یاجوج ماجوج تو اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے کسی بہت بڑے ملک میں آباد ہوں گے۔ تیرہ سو سال کی تاریخ ان کا پتہ کیوں نہیں دیتی؟

پھر اصحاب کہف پر مسجد بھی بنائی گئی ہے جو بہت بڑا نشان ہے اور کھلے میدان سوئے ہوئے ہیں اور سد سکندری اس سے بھی بڑی عمارت ہے۔ جو دو ملکوں کے درمیان حائل ہے اور یاجوج ماجوج اس کے توڑنے میں لگے ہوئے ہیں اور دو انگلیوں کے حلقے کے برابر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہی اس میں سوراخ ہو چکا تھا تو یہاں بھی یہ کہہ دیا جائے کہ تیرہ سو سال کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ رسول تو درکنار خدا کا اندیشہ بھی صحیح نہیں دیدہ باید۔

چوتھا راستہ

مودودی صاحب کی درایت کیلئے احادیث میں اختلاف اور ٹکراؤ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حدیث بھی قرآن مجید کی طرح وحی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اعجاز ہے۔ (یعنی ایسا کلام بنانے پر کوئی اور قادر نہیں) اور حدیث شریف میں اعجاز نہیں اور یوں بھی فرق کرتے ہیں کہ قرآن مجید وحی متلُو ہے یعنی نمازوں غیر نمازوں میں اس کی تلاوت ہوتی ہے اور حدیث وحی غیر متلُو ہے۔ دوسرے لفظوں میں قرآن مجید وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔ جلی کے معنی واضح کے ہیں اور خفی کے معنی پوشیدہ اور مراد وہی متلو غیر متلو ہے۔ جب ہر وقت نماز غیر نماز میں عام تلاوت ہوگی تو جلی کے معنی پائے گئے اور جس کی اس طرح تلاوت نہیں اس میں خفی کے معنی پائے گئے اور جلی خفی کا ایک معنی یہ بھی کرتے ہیں۔ کہ اگر الفاظ اور معنی دونوں خدا کی طرف سے ہو تو یہ جلی ہے اور اگر الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوں اور معنی خدا کی طرف سے ہوں تو یہ خفی ہے۔ کیونکہ الفاظ ظاہر ہیں اور معنی دل میں ہوتا ہے۔ مگر اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ اور معنی دونوں خدا کی طرف سے ہوتے ہیں حالانکہ وہ قرآن نہیں۔

حدیث قدسی

حدیث قدسی کی ایک تیسری تعریف یہ بھی ہے کہ صرف خدا کی طرف تشریفی طور پر نسبت ہوتی ہے۔ الفاظ خدا کے نہیں ہوتے۔ اس بناء پر جلی کے یہ معنی کرنا کہ الفاظ بھی خدا کے اور مطلب بھی خدا کا اور اس معنی سے قرآن مجید کو وحی جلی کہنا صحیح ہوگا۔ اور اس کے مقابلہ میں وحی خفی کا معنی یہ کرنا کہ صرف مطلب خدا کا ہے الفاظ خدا کے نہیں ہیں۔ اور اس معنی سے حدیث وحی خفی ہے قدسی ہو غیر قدسی۔ لیکن پہلے جو ہم نے کہا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ خدا کے ہوتے ہیں صرف ان میں اعجاز نہیں ہوتا۔ یہ چاہتا ہے کہ حدیث قدسی کی یہ تیری تعریف کچھ کمزور ہو۔ اور اس بناء پر جلی خفی کا یہ معنی بھی کچھ کمزور ہی رہے گا۔ اور جلی کا بعض یہ معنی کرتے ہیں کہ یہ فرشتہ سامنے آتا ہے اور خفی کے یہ معنی ہیں کہ فرشتہ سامنے نہیں آتا۔ جیسے شروع بخاری میں دونوں قسم کی وحی کی تفصیل ہے۔ مگر قرآن کی وحی اور حدیث کی وحی میں یہ فرق کرنا غلط ہے۔ کیونکہ حدیث کی وحی میں

بھی فرشتہ سامنے آتا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ہمسایہ کے حقوق کے نسبت جبرئیل نے مجھے اتنی وصیت کی کہ قریب تھا کہ اسے وارث بنا دیں۔

اور مشکوۃ باب المساجد میں جبرائیل اترے۔ قرآن مجید کے نزول میں بعض دفعہ فرشتہ سامنے نہیں آتا۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کی آیات اتری ہیں۔ اس وقت ویسے ہی رسول اللہ ﷺ کو استغراق کی حالت ہوگئی اور طبیعت پر بوجھ پڑ گیا۔ اسی طرح پانچویں پارہ آیۃ کریمہ

''لَاَيَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ''

(اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں،'' (سورۃ النساء: 95''

میں غیر اولی الضرر اترنے کے وقت ہوا زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں وحی لکھ رہا تھا میری ران آپ کی ران کے نیچے تھی جب یہ لفظ اترا تو مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ قریب تھا کہ میری ہڈی ٹوٹ جائے۔ حالانکہ صرف ایک لفظ غیر اولی الضرر اترا ہے اور اس قسم کی وحی میں سردیوں میں بھی آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے۔ خواہ وحی قرآن مجید ہو یا حدیث ہو۔ چنانچہ مشکوۃ کتاب الرقاق فصل اول میں ابو سعید خدری کی حدیث کا نزول بھی اسی طرح ہوا۔ جو یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی نمائش اور زینت سے میں تم پر ڈرتا ہوں۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! کیا خیر بھی شر کو لاتی ہے۔ آپ چپ ہوگئے ہم نے خیال کیا کہ آپ پر وحی ہو رہی ہے۔ پس آپ ﷺ نے پسینہ پونچھا۔ اور فرمایا سائل کہاں ہے؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے اس کا سوال ناپسند کیا ہے۔ فرمایا خیر شر کو نہیں لاتی لیکن بہار میں جو کچھ زمیں اگاتی ہے اس کو چارپائے کھاتے ہیں۔ کئی چارپائے کھا کر مرجاتے ہیں کئی قریب المرگ ہوجاتے ہیں جو چارپایہ کھا کر دھوپ میں آ کھڑا ہو، پسینہ آئے، گوبر کرے، پیشاب کرے، پیٹ ہلکا ہوجائے، پھر جا کر چرنے لگے، اس چارپائے کو یہ غذا مفید پڑتی ہے۔ سو اسی طرح یہ دنیا کا مال و دولت سبز اور میٹھا ہے جو حلال طریقے سے لے۔ اور جہاں خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ کردے۔ اس کے لئے یہ مال بہتر معاون ہے اور جو ایسا نہ کرے اس کی مثال اس چارپائے کی ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اور قیامت کے دن یہ مال اس پر گواہ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ خرابی مال سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ سوء استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے قرآن کی بابت فرمایا کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہت کو ہدایت کرتا ہے اور بہت کو گمراہ کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جلی خفی میں فرشتے کے سامنے آنے نہ آنے کے ساتھ فرق کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ فرق وہی ہے جو پہلے بیان ہوا یعنی جلی سے مراد وحی متلُو ہے اور خفی سے مراد وحی غیر متلُو ہے۔ پس قرآن مجید میں اور حدیث شریف میں دو طرح سے فرق ہوا ایک یہ کہ قرآن مجید وحی متلُو ہے اور حدیث شریف وحی غیر متلُو ہے۔ بہرحال حدیث کے وحی ہونے میں شبہ نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ وحی میں اختلاف یا تضاد نہیں ہوتا کیوں کہ وحی خدا کی طرف سے ہے۔

''وَلَوْكَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا''

(ترجمہ: ''اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے'' (النساء: 82

اب چاہیے تو یہ تھا کہ احادیث میں بظاہر جہاں اختلاف ہو وہاں موافقت کی کوشش کی جائے۔ اور اگر کسی سے موافقت نہ ہوسکے تو اسے چاہیے کہ اس کے جاننے والے کے حوالے کردے۔

بخاری جلد2 ص712 پر سورۂ حٰم سجدہ کی آیہ:

"قُلۡ أَئِنَّكُمۡ لَتَكۡفُرُونَ بِٱلَّذِي خَلَقَ ٱلۡأَرۡضَ فِي يَوۡمَيۡنِ"

(آپ کہہ دیجئے! کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کر دی" (سورۃ فصلت: 9"

کے تحت سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص (نافع بن ازرق) نے ابن عباس کو کہا کہ قرآن مجید کی کئی آیتوں میں مجھے تعارض معلوم ہوتا ہے:

1. خدا ایک جگہ فرماتا ہے ولایتساء لون (المؤمنون 101)

یعنی قیامت کے دن کوئی ایک دوسرے کو نہیں پوچھے گا۔ اور دوسری آیت میں ہے:

"وَأَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٍ يَتَسَآءَلُونَ"

(اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے" (سورۃ طور: 25"

یعنی قیامت کے دن ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

2. ایک آیت میں ہے ولا یکتمون اللہ حدیثا (النساء 42)

یعنی خدا سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے اور دوسری آیت میں ہے

واللہ ربنا ما کنا مشرکین (الأنعام 23)

یعنی خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ اس آیت میں انہوں نے چھپایا۔

3. سورۂ نازعات میں ہے کہ آسمان کو زمین سے پہلے پیدا کیا اور سورۂ حٰم سجدۃ میں کی آیۃ مذکورہ میں ہے کہ زمین پہلے پیدا کی۔

4. خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وکان اللہ غفوراً رحیماً۔ عزیزاً حکیماً۔ سمیعاً بصیراً۔

یعنی خدا بخشنے والا مہربان تھا۔ غالب حکمت والا تھا۔ سننے والا دیکھنے والا تھا گویا پہلے زمانے میں تھا اب نہیں۔

ابن عباس نے جواب فرمایا:

1. پہلے نفخہ میں کوئی نہیں پوچھے گا دوسرے نفخہ میں پوچھیں گے۔

2. جب اللہ تعالیٰ اہل توحید کو بخشے گا تو مشرک کہیں گے آؤ ہم بھی قسم کھائیں کہ ہم مشرک نہ تھے اس کے بعد ان کے منہ پر مہریں لگا دی جائیں گی۔ اور ہاتھ بولیں گے پس اس وقت کچھ نہیں چھپائیں گے۔

3. زمین آسمان سے پہلے پیدا ہوئی ہے اور سورۂ نازعات میں زمین کی پیدائش کا ذکر نہیں بلکہ بچھانے کا ذکر ہے۔ اور بچھانے سے مراد اس میں چشمے جاری کرنا، اس سے چارہ پیدا کرنا، اس میں پہاڑ گاڑنا، اونٹ، ٹیلے اور باقی اشیاء پیدا کرنا ہے۔

۔ یہ اوصاف خدا تعالیٰ کے چونکہ قدیمی ہیں۔ اس لئے ماضی کا لفظ استعمال کیا اور یہ مطلب نہیں کہ اب نہیں۔ کیونکہ خدا جب کوئی ارادہ کرے مثلاً کسی 4 کو بخشش، رحمت پہنچانی چاہیے تو اس کو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس لئے اس کے حق میں یہ اوصاف منقطع نہیں۔ (اسی لئے کتب نحو میں کان کی دو قسمیں لکھی ہیں منقطعہ اور دائمہ) پس قرآن مجید تجھ پر مختلف نہ ہو کیونکہ سارا خدا کی طرف سے ہے۔

تفسیر ابن کثیر جلد 4 ص 420 پر سورۃ سأل سائل کی آیہ

''فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ''

(ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے'' (سورۃ المعارج: 4''

کے تحت لکھا ہے کہ:

نے فرمایا یہ (سورۃ سجدہ میں ہزار سال سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔ ابن عباس ایک شخص نے ابن عباس کا دن) دونوں دن خدا نے اپنی کتاب میں ذکر کئے ہیں۔ خدا کی جو مراد ہے وہ بہتر جانتا ہے۔ میں اللہ کی کتاب میں بغیر علم کے کچھ کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔

یہی حال حدیث کا ہونا چاہیے۔ کیوں کہ وہ بھی وحی ہے اول تو موافقت کی کوشش کرنی چاہیے اگر اتنا علم نہ ہو تو اپنے سے زیادہ علم والے کی طرف رجوع نے کیا۔ مگر مودودی صاحب حدیث سے ظالمانہ برتاؤ کر رہے ہیں۔ دیدہ دانستہ حدیث کو ٹکراتے ہیں کرے یا پھر توقف کرے۔ جیسے ابن عباس اور پھر ان کی تردید شروع کرتے ہیں۔ یہ ان کی درایت ہے جو عموماً حدیث پر ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب نے ان احادیث کو جن میں دجال کا ذکر ہے۔ آپس میں ٹکرا کر نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ محض آپ ﷺ کے قیاسات ہیں۔ حالانکہ خراسان اور اصفہان مدینہ منورہ سے قریباً مشرق جانب میں اور عراق تو بالکل مشرق میں ہے اور حدیث میں درمیانی علاقہ شام وعراق نہیں آیا۔ بلکہ خَلّہ بین الشام والعراق آیا ہے اور خَلّہ کے معنی راستہ کے ہیں جو ریگستان میں ہو۔ اور وہ راستہ شام کے نسبت عراق کی طرف زیادہ نزدیک ہو تو وہ بھی قریباً مشرق میں ہوگیا۔ سندھی حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں:

قال القرطبي قد جاء أنه من خراسان ومن أصبهان ووجه الجمع أن مبدأ خروجه من خراسان من ناحية أصبهان ثم يخرج إلى الحجاز فيما بين الشام والعراق.

قرطبی کہتے ہیں۔ احادیث میں خراسان سے نکلنے کا ذکر بھی آیا ہے اور اصبہان سے بھی آیا ہے۔ اور موافقت اس طرح ہے کہ ابتداء خروج خراسان سے شہر اصبہان کی جانب سے ہے۔ پھر حجاز کی طرف اس کا خروج شام وعراق کے درمیانی راستہ سے ہوگا۔

کم عقلی

پہلے علماء سب کچھ لکھ گئے ہیں۔ مگر مودودی صاحب کو اپنا علمی مظاہرہ کرنا تھا۔ اس لئے ان کو نئی نئی سوجھتی ہے۔ اور دراصل یہ علمی مظاہرہ نہیں بلکہ اپنی کم عقلی کا مظاہرہ ہے۔ معاذاللہ آپ ﷺ کوئی شیخ چلی تو تھے نہیں کہ محض اٹکلوں کی بناء پر خیالات کی عمارت چنتے رہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کی تو وہ بلند شخصیت ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ ذمہ دارانہ طور پر فرماتے ہیں:

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى''

(اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے'' (سورۃ النجم: 3،4''

پھر یہ بھی سوچنا چاہئیے کہ خراسان ایک علاقہ کا نام ہے اور اصبھان ایک شہر ہے اور خلہ ریگستان کا راستہ ہے یہ تعینات اس قسم کی پیش گوئی ہے۔ کہ اس میں قیاس کا کوئی دخل ہی نہیں۔ اس کا ذریعہ صرف وحی ہو سکتی ہے۔ مودودی صاحب کو دعویٰ اتنا بڑا ہے کہ نبی ﷺ کی غلطیاں نکالتے ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں سوچا کہ ان چیزوں کے نام حضور ﷺ کی زبان پر کس طرح آگئے اور دجال کا چکران راستوں سے کیوں ہوگا؟ کیا اس کو نکلنے کا کوئی اور راستہ نہیں؟

کاش مودودی صاحب اصول حدیث ہی پڑھ لیتے۔ اس میں یہ اصول صاف لکھا ہے کہ اسرائیلیات سے نہ لینے والا صحابی اگر کوئی اس قسم کی خبر دے جس میں رائے، قیاس کا دخل نہ ہو تو محدثین اس کو مرفوع شمار کرتے ہیں۔ یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے۔ کیونکہ صحابہ کے لئے ایسے معلومات کا ذریعہ صرف آپ ہی کی ذات بابرکات تھی۔ تو کیا رسول اللہ ﷺ کے خدا کی ذات کے سوا کوئی اور ذریعہ تھا؟ پس اس بناء پر آپ ﷺ کا ارشاد بطریق اولی وحی ہونا چاہیے۔ خاص کر جبکہ آپ ﷺ کے حق میں ذمہ دارانہ فرمان الہی

'وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ''

(اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے'' (سورۃ النجم: 3،4''

بھی موجود ہے لیکن مودودی صاحب کی درایت نے یہ سب باتیں ان کی آنکھ سے اوجھل کر دیں۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ آپ منکرین حدیث میں شامل ہو جائیں۔ اوپر سے اقرار کا لیبل لگا کر اندر سے انکار۔ یہ تو وہی یہود کا ٹیڑھا سجدہ ہے جبکہ ان پر پہاڑِ طُور اٹھایا گیا۔ آپ کی حکومتِ الہیہ بھی ایسی ہی ہوگی۔

انا للہ وانا الیہ رجعون۔

پانچواں راستہ

مودودی صاحب کی درایت کا، قرآن و حدیث کا آپس میں ٹکراؤ ہے۔ ابھی ذکر ہوا ہے کہ حدیث بھی وحی ہے اختلاف نہیں ہوتا ہاں ظاہر میں کسی وقت اختلاف معلوم ہو تو اس کی موافقت کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر سمجھ میں نہ آئے تو کسی دوسرے کے حوالے کر دے یا توقف کرے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں:

پہلی مثال

قرآن مجید میں ہے:

''فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۔ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا''

(ترجمہ: ''تو (اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا'' (الانشقاق 7،8

من حوسب عذب.

یعنی جس کا حساب کیا گیا اس کو عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت وحدیث میں بظاہر مخالفت ہے۔ آیت میں ہے جن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا ان کا حساب ہوگا حسابِ آسان اور حدیث چاہتی ہے کہ جس کا حساب ہو اس کو عذاب ہو۔ خواہ حساب آسان ہو یا سختی سے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شبہ رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں یوں موافقت کی کہ آیت سے مراد دراصل حساب نہیں بلکہ عرض (سامنے کرنا) ہے۔ یعنی دائیں ہاتھ میں عملنامہ ملنے والوں کے گناہ سامنے کرکے کہہ دیا جائے گا۔ یہ تمہارے گناہ معاف کردیے گئے۔ تاکہ ان کو پتہ لگے کہ خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ من نوقش فی الحساب عذب یعنی جو حساب میں کرید کیا گیا۔ اور ذرا ذراسی بات کی پوچھ ہوئی تو اس کو ضرور عذاب ہوگا۔ گویا رسول اللہ ﷺ نے آیت کی تاویل کی کہ وہ برائے نام حساب ہے اصل حساب نہیں۔ پس آیت وحدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔

دوسری مثال

قرآن مجید میں ہے:

''وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُواْ مِنَ الصَّلاَةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُواْ''

(ترجمہ: ''جب تم سفر میں جارہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔'' (النساء 101

حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ وغیرہ تشریف لے گئے۔ تو دوگانہ پڑھتے رہے حالانکہ وہاں کسی قسم کا ڈر نہ تھا۔ کیونکہ مکہ وغیرہ فتح ہوچکا تھا اور ہر طرح سے امن قائم ہوچکا تھا۔

نے جب یہ شبہ رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت چاہتی ہے کہ دوگانہ اس وقت ہو جب کفار کا ڈر ہو اور حدیث میں اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ حضرت عمر پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

صدقۃ تصدق اللہ بہا فاقبلوا صدقۃ.

یعنی دو رکعت کی معافی یہ خدا کی طرف سے صدقہ ہے پس اس کا صدقہ قبول کرو۔

آپ ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ شروع میں اگرچہ ڈر کی وجہ سے رخصت ہوئی مگر اب اس شرط کی معافی ہے۔ تو گویا یہاں بھی رسول اللہ ﷺ نے آیت کی تاویل کی۔

تیسر مثال

بخاری کی حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تین جھوٹ بولنے کا ذکر آیا ہے۔ ایک جب بت توڑے اور کفار نے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا ان کے بڑے نے کیا ہے۔ دوسرا جب قوم اپنے میلہ پر جانے لگی تو ابراہیم کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔ آپ علیہ السلام نے ویسے ستاروں کی طرف نظر کرکے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ تیسرا عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تو راستہ میں ایک ظالم بادشاہ نے آپ علیہ السلام کی بیوی سارہ علیہا السلام کو پکڑلیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ یہ تیری کیا لگتی ہے؟ تو کہا میری بہن ہے۔ کیونکہ اگر بیوی کہتے تو وہ آپ علیہ السلام کو قتل کردیتا۔ چنانچہ خاوند کو قتل کردینا اس کا دستور تھا۔ یہ تین جھوٹ حدیث میں مذکور ہیں۔ ایک جان بچانے کے لئے اور دو اللہ کے راستہ میں

اور یہ دونوں (جو اللہ کے راستہ میں ہیں) قرآن مجید میں بھی موجود ہیں اور تیسرا صرف حدیث میں ہے۔ اس کے متعلق اس حدیث میں صاف یہ الفاظ ہیں۔ میں نے بہن اس بناء پر کہا ہے کہ تو میری اسلامی بہن ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ شکل جھوٹ کی ہے۔ دراصل جھوٹ نہیں لیکن باوجود اس کے مودودی صاحب ترجمان القرآن جلد 5 ص 282، 44 بابت دسمبر سنہ 1955ء میں اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کو صِدِّیق (بڑا سچا) کہا ہے۔ حالانکہ دو جھوٹ جب قرآن مجید میں موجود ہیں۔

تو دراصل یہ قرآن مجید پر اعتراض ہے نہ کہ حدیث پر اگر کہا جائے۔ کہ حدیث میں ان پر جھوٹ کا لفظ بولا ہے۔ قرآن میں جھوٹ کا لفظ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جھوٹ کا لفظ بولنے سے حقیقت پر تو پردہ نہیں پڑسکتا۔ جو واقعہ میں جھوٹ ہے وہ جھوٹ نہیں بلکہ صرف شکل اس کی جھوٹ کی ہے مگر باوجود اس کے یہ لوگ صرف حدیث پر ہی آوازے کس رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے قرآن مجید کی تفسیر پہلے قرآن مجید سے کرنی چاہیے پھر حدیث سے پھر آثارِ سلف سے۔ قرآن مجید نے جو صدیق کا معنی بیان کیا ہے وہ حسب ذیل آیت میں ہے:

''وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ''

(ترجمہ: ''اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق ہیں'' (الحدید: 19

اللہ رسول کے ساتھ ایمان لانے میں ان باتوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے جو اللہ رسول نے فرمائی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے جو توریہ ایک قسم سے ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی اسی حدیث میں جس میں بیوی کو بہن کہا ہے کہ اخوت سے اخوت اسلامی مراد ہے۔ اور توحید سمجھانے کے لئے حیلہ کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر کہا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں بیمار ہوں (بیماری سے مراد دل کی پریشانی ہے) مگر ستاروں میں نظر کرکے بیمار کہنے سے قوم کو دھوکا دیا کہ ان کی مراد جسمانی بیماری ہے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے غلّہ کی بوریوں میں شاہی پیمانہ رکھوا کر بھائیوں کو چور کہلوایا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ''

(ہم نے یوسف کے لئے اسی طرح یہ تدبیر کی۔'' (یوسف 76''

یہ حیلہ ہم نے یوسف کو سکھلایا) پس جب تک اس قسم کی باتوں پر کوئی ایمان نہ لائے وہ بحکم آیہ مذکورہ بالا)

''وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ''

(ترجمہ: ''اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق ہیں'' (الحدید: 19

صدیق نہیں ہوسکتا۔ پس صحیح معنیٰ صدیق کا وہی ہے جو کہ قرآن مجید نے خود بیان کردیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ صدیق وہ ہے جس کا تعلق خدا اور رسول سے سچا ہو۔

مودودی اور حدیث

مودودی صاحب کا خیال ہے۔ کہ صحت وضعفِ احادیث میں محدثین کے قواعد ہم پر ضروری نہیں اس کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ان (محدثین) کی نگاہ میں احادیث معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک ٹھیک اسی معیار کی ہم پابندی کر دیں۔ مثلاً مشہور (حدیث) کو شاذ پر، مرفوع کو مرسل پر، اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے تجاوز نہ کریں۔ یہی وہ مسلک ہے جس کی شدت نے بہت سے کم (علم لوگوں کو حدیث کی کلی مخالفت..... کی طرف دھکیل دیا ہے۔ (تفہیمات ص 118

مودودی صاحب کی مثال اندھوں میں کانا راجہ کی ہے۔ ان کی جماعت خدا جانے علمی میدان میں ان کو کتنا بڑا انسان سمجھتی ہے۔ کہ ان کی اندھی تقلید کررہی ہے حالانکہ حال ان کا یہ ہے کہ جس فن پر وہ تنقید کر رہے ہیں اس کے معمولی مسائل کا بھی پتہ نہیں۔ شاذ کے مقابلہ میں محفوظ ہے اور مرفوع کے مقابلہ میں موقوف ہے اور منقطع کے مقابلہ میں متصل ہے۔ مودودی صاحب چونکہ زمانہ حال کے مجدد ہیں اس لیئے ضروری ہے کہ ہر چیز میں جدت پیدا کریں اور جماعت کی طرف سے آواز آئے سبحان اللہ :

یہ ٹھہرے ہیں دیں کے رہنما اب

لقب ان کا ہے وارثِ انبیاء اب

اصل بات یہ ہے۔ کہ کامل استاد کے بغیر انسان کا علم پختہ نہیں ہوتا اور جب علم پختہ نہ ہو تو پھر ان کی بات کا توازن قائم نہیں رہتا۔ مودودی صاحب نے حدیث کا پایا جتنا بلند کیا تھا ظن کی دلدل میں پھنس کر اتنا ہی اس کو نیچے گرا دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

1۔ احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہیں۔ جن سے اگر کوئی چیز حد سے ثابت ہو سکتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے نہ علمِ یقین۔ (ترجمان القرآن، ربیع الاول سنہ 1365ھ)

2۔ یہ بھی مسلم ہے کہ نقدِ احادیث کے لیئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اَخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کار آمد ہے۔ کلام اس میں نہیں۔ بلکہ اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے ؟ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لیئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ (تفہیمات ص 318)

3۔ تیسری اہم چیز سلسلۂ اسناد ہے محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے آیا اس کا ہمعصر تھا یا نہیں ؟ ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں اور ملا تھا تو آیا یہ خاص حدیث خود اس سے سنی یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق کہ یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہوگئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو متصل السند قرار دیتے رہے ہیں وہ درحقیقت منقطع ہو اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل یا معضل یا منقطع ہیں اور اس بناء پر یہ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بناء پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنتِ نبوی ﷺ اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اس پر اعتماد کر لیا جائے۔ (تفہیمات، ص 322، 321)

4۔ کیا ضروری ہے کہ جس کو انہوں (محدثین) نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو۔ اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ

(بالیقین غیر ثقہ ہو۔ اوراس کی تمام روایتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہوں۔ (تفہیمات ص 321، 322

5۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کہ جس کو وہ (محدثین) صحیح قرار دیتے ہیں وہ درحقیقت صحیح ہے صحت کا کامل یقین ان کو بھی نہ تھا۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظنِ غالب ہے۔ مزید برآں یہ کہ ظنِ غالب جس بناء پر ان کو حاصل تھا وہ بلحاظ روایت نہ کہ بلحاظ درایت، ان کا نقطۂ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا، فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا۔ اس لئے فقیہانہ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہاء مجتہدین کی نسبت کمزور تھے۔ پس ان کے کمالات کا جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہیں اس (میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔ ایک بلحاظ اَسناد دوسری بلحاظ تفقہ۔ (تفہیمات ص 319

6۔ محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا۔ اس لئے ان پر اَخباری نقطۂ نظر غالب ہوگیا تھا اور وہ روایت کو معتبر غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے۔ کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں؟ رہا فقیہانہ نقطۂ نظر تو وہ ان کے موضوعِ خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا۔ اس لئے اکثر وہ ان نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا تھا اور روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں۔ حالانکہ معنیً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے۔ مگر جو لوگ امور شریعت میں نظر رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطۂ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے۔ اور محدثین صحیح احادیث سے استنباطِ احکام و مسائل میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں۔ جو فقیہان مجتہدین نے رکھا ہے۔ (تفہیمات ص 329

7۔ یہ بات قابلِ انکار ہے۔ کہ جیسا مستند اور معتبر ذریعہ قرآن مجید ہے ویسا مستند اور معتبر ذریعہ حدیث نہیں ہے۔ اس لئے صحت کا اصلی معیار قرآن (ہی ہونا چاہیے۔ (تفہیمات ص 329

8۔ احادیث کسی مسئلہ میں حجت نہیں قرار پاسکتیں۔ (ترجمان القرآن فروری 1946ء)

بعض گمراہ فرقے ایسے گذرے ہیں۔ جن کا دماغی توازن قائم نہیں ہوتا۔ وہ واقعات سے بالاتر ہو کر ایسی ادھیڑ بنت میں لگے رہتے ہیں۔ جس میں مودودی صاحب لگے ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک کہتا ہے: ساری امت گمراہی پر جمع ہو سکتی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ:

ہر آدمی سے خطا ممکن الوقوع ہے تو سب سے بھی ممکن ہے۔ جیسے یہ کہا جائے کہ ہر ایک حبشی سیاہ ہے تو سب حبشی بھی سیاہ ہوں گے۔'' (رسالہ'' (اجتہاد و تقلید ثنائی ص 73

دوسرا اس پر تصریح کرتا ہوا یہ کہتا ہے۔ کہ قرآن مجید جن کی معرفت ہم تک پہنچا ہے وہ تعداد میں خواہ کتنے ہی ہو آخر تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو فطرۃ اللہ نے حدیں مقرر کر رکھی ہیں۔ ان سے آگے تو نہیں جاسکتے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ اور جب ہر فرد انسان اس فطرت کے تحت ہے تو مجموعہ بھی اس فطرت کے تحت ہے۔ اس بناء پر قرآن مجید میں بھی غلطی کا امکان ہوگیا۔ ((کتاب تعریف اہل سنت، ص 302

تیسرا کہتا ہے کہ نقل سے یقین حاصل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ منطق کی کتاب حمداللہ کے ص 222 پر صناعت خمس کی بحث میں معتزلہ اور جمہور اشعریہ کا مذہب لکھا ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ذکر ہے کہ اول تو ایک لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر متکلم کے ارادے کا علم مشکل ہے۔ کہ اس نے کون سا معنی ارادہ کیا ہے؟ حقیقی یا مجازی، عام یا خاص، مطلق یا مقید اور کبھی یہ بھی شبہ ہوجاتا ہے کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو اور ناسخ کا علم نہ ہوا ہو۔ نیز

ناقل بعض دفعہ جھوٹا ہوتا ہے یا اس کی طبیعت میں تکاسل (طبعاً سست ہونا) ہوتا ہے ۔ اور اس کو ثقہ سمجھ لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ ثقہ سے بھی غلطی ہوجاتی ہے ۔

غرض اس قسم کے بہت سے شبہات ہوجاتے ہیں ۔ تو نقل پر کس طرح یقین ہوسکتا ہے گویا ان لوگوں کے نزدیک نہ علوم عربیہ کا کوئی مسئلہ قطعی ہے نہ اسلام کا کوئی عقیدہ یقینی ہے ۔ گویا جنت ، دوزخ ، حساب ، کتاب ، حشر نشر کوئی بھی یقینی نہیں ۔ اسی طرح نماز ، روزہ ، حج ، زکوۃ وغیرہ بلکہ اس بات پر بھی یقین نہیں کہ محمد ﷺ ایک شخص مدعی نبوت عرب میں گذرے ہیں ۔ اور ان پر یہ کتاب اتری ہے جو اہل اسلام کے ہاتھ میں ہے ۔ بلکہ اس پر بھی یقین نہیں کہ مکہ ، مدینہ وہی شہر ہیں جن میں قرآن مجید اترا تھا ۔ بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جن لوگوں نے مکہ ، مدینہ ، قسطنطنیہ وغیرہ شہر نہیں دیکھے ان کو ان شہروں کے وجود پر یقین نہ ہو کہ یہ بھی دنیا میں شہر بس رہے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ لیجئے سب کچھ صفا ہوگیا :

مجرد سب سے علیٰ ہے نہ جورو ہے نہ سالا ہے

غرض اس قسم کی موشگافیاں کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں ۔ جو وہم وخیالات کی عمارت اتنی بلند کرتے ہیں جو شاعرانہ تخیل سے بھی آگے گزر جاتی ہے ۔ جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتے ہیں :

''أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ''

(کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں'' (الشعراء 225''

یعنی شاعر ہر جنگل میں حیران پھرتے ہیں ۔ اب مودودی صاحب بھی اس میدان میں اترے ہیں ۔ اور قلم کی ایک جنبش سے دنیا کا سارا سلسلہ ہی تہ بالا کردیا ہے ۔ کسی قابل استاد کی کفش برداری کی ہوتی ۔ تو اتنی بڑی لغزش نہ کھاتے ۔ جس سے اسلامی دفتر پر پانی پھر جاتا ۔ فقہاء اور محدثین کی ظن کے متعلق ایک معمولی سی اصطلاح نہ سمجھنے کی وجہ سے یوں دماغ لڑانا شروع کردیا کہ ثقہ غیر ثقہ ہوسکتا ہے ۔ اور صحیح غیر صحیح وغیرہ وغیرہ اور یہ نہیں سمجھتے کہ خدا کی خدائی میں کیا نہیں ہوسکتا ۔ کیا محمد ﷺ کی مثل یا آپ کی اتباع سے نیا نبی اب نہیں ہوسکتا ؟ اتباع سے ہی ہوسکتا ہے ۔ کیا خدا اب قادر نہیں رہا ؟ سوال تو ہونے سے ہے نہ ہوسکنے سے ۔

بے شک ثقہ غیر ثقہ سب کچھ ہوسکتا ہے ۔ مگر دیکھنا یہ ہے ۔ کہ ہے بھی کہ نہیں محدثین نے تو اپنی تحقیقات سے ثابت کردیا کہ یہ ثقہ ہے ۔ اب آپ اپنی تحقیقات کا نیا دفتر کھولیں جس سے اس کے غیر ثقہ ہونے کا علم ہو جب تحقیق کے تمام ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ محدثین نے استعمال کرلئے ہیں ۔ تو اب آپ کے ہاتھ میں امکان بھی نہ رہا۔

مودودی صاحب کیا سہل انگاری سے لکھتے ہیں :

''تھے تو انسان ہی ۔ انسان کے لئے جو حدیں فطرت اللہ نے مقرر کررکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جاسکتے ۔ ''

توجناب عالی ! آپ کون ہیں ؟ فرشتہ ہیں یا مقام نبوت کو پہنچ گئے ہیں ؟ اگر آپ کا مقام بھی انسانی حدود ہی ہیں ۔ تو پھر آپ کا ''ہوسکنا'' محدثین کے ہونے '' کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے ؟ شاید آپ نے کسی عدالت میں پیش ہو کر کبھی کہا ہوگا کہ فلاں گواہ جس کو آپ معتبر سمجھ رہے ہیں ۔ مجھے اس کی گواہی میں شک ہے ۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ غیر ثقہ ہو ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہو ۔ مارشل لاء کے دنوں میں تو ضرور ایسا معاملہ پیش آیا ہوگا اور عدالت نے آپ کا یہ اعتراض معقول سمجھ کر ضرور مقدمہ خارج کردیا ہوگا ۔ اگر آپ انکار کریں اور کہیں کہ ایسا معاملہ پیش نہیں آیا تو ہوسکتا ہے

آپ بھول گئے ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے حافظہ میں اختلاط آگیا ہو۔ اور اگر آپ کا یہ اعتراض عدالت نے نہیں سنا تو ہوسکتا ہے کہ آپ اپنا وقار قائم رکھنے کےلئے دیدہ دانستہ اس معاملہ کے پش آنے سے انکار کرتے ہوں۔تاکہ لوگوں میں خفت نہ ہوکہ عدالت نے اعتراض نہیں سنا۔

مولانا صاحب! یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک بیڑہ سمندر میں جارہاہو پھر ہوسکتا ہے کہ طوفان کے تھپیڑوں میں آکر پھٹ گیا ہو۔ پھر ہوسکتا ہے کہ ایک پھٹہ پر بیگانے دو مرد عورت رہ گئے ہوں پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی جزیرے میں اترے ہوں اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پیٹ کی فکر کی بجائے دوسری خواہش غالب آگئی ہو تیجۃً ظاہر ہے کہ متعہ جائز ہے....

قارئین کرام! یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ بلکہ یہ متعہ کے جواز کی دلیل آج کل مولانا صاحب کے ماہوار رسالہ ترجمان القرآن کے صفحات کی زینت بنی ہوئی ہے۔

مولانا صاحب!آپ نے محدثین اور فقہاء کے ظن کواپنے روزمرہ کی بول چال کا ظن سمجھ کر کس قدر گمراہی پھیلائی ہے۔کوئی چیز بھی صحیح طریق پر نہیں رہ سکتی۔ یہ سب بے استادی کے نتائج ہیں۔

(حوالہ :(فتاوی اہلحدیث، 12تا40

قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام ومسائل

جلد01